بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کنزالمدارس نصاب کے عین مطابق نوٹس

موطا امام محمد

معلم

مولانا فرخ المدنی صاحب

خصوصی کاوش

علی نواز عطاری

درجہ سابعہ

جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ اوکاڑہ

رائٹر

زین رضا عطاری

امام اعظم علیہ رحمہ کے حالات زندگی

نام ونسب:

آپ علیہ رحمہ کا نام نعمان بن ثابت، آپکی کنیت ابوحنیفہ اور آپ کا لقب امام اعظم ہے۔آپ فارسی النسب ہیں۔

ولادت:

آپ علیہ رحمہ کی ولادت مبارک 80ھ کوفہ میں ہوئی۔

اساتذہ کرام:

آپ علیہ رحمہ کے اساتذہ میں امام محمد باقر، امام زید اور امام جعفر رضی اللہ عنھم ہیں۔

تلامذہ:

امام ابو یوسف، امام محمد، امام ابن حسن شیبانی، اسد بن عمرہ، حسن بن زیاد، نوح الجامع، ابومطیع بلخی، امام مالک، عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد، ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض۔

تصانیف:

۱) کتاب العالم والمتعلم
۲) فقہ اکبر
۳) کتاب الوصایا
۴) کتاب المقصود
۵) کتاب الاوسط

وفات:

امام اعظم علیہ رحمہ کا وصال ۷۰ سال کی عمر میں شعبان کی دو تاریخ کو سن 150ھ کوفہ میں قید کی حالت میں ہوا۔

امام ابو یوسف علیہ رحمہ کے حالات زندگی

نام ونسب:

آپ کا نام قاضی یعقوب بن ابراہیم بن حبیب کوفی ہے۔

ولادت:

آپ علیہ رحمہ 113ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ کرام:

امام اعظم علیہ رحمہ، ہشام بن عروہ، ابواسحاق شیبانی، عطاء بن سائب، سلیمان بن سعد، سلیمان اعمش، محمد بن اسحاق، لیث بن سعد، عبیداللہ بن عمر عمری۔

تلامذہ:

محمد بن حسن، احمد بن حنبل، بشر بن ولید، یحیٰ بن معین، علی بن جعد، علی بن مسلم طوسی۔

ابتدائی تعلیم:

آپ علیہ رحمہ نے غریب خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے امام اعظم علیہ رحمہ سے پرورش پائی اور ابتدائی تعلیم انہی سے حاصل کی۔

وفات:

آپ علیہ رحمہ کا وصال مبارک 182ھ میں ہوا۔

امام محمد علیہ رحمہ کے حالات زندگی

نام ونسب:

آپ کا نام ابوعبداللہ بن حسن بن فرقد شیبانی ہے۔قبیلہ شیبان سے ہونے کی وجہ سے آپ کو شیبانی کہا جاتا ہے۔آپ کے والد دمشق کے قریب ایک بستی حرسنا سے تعلق رکھتے تھے پھر ہجرت کر کے آپ عراق آئے۔

ولادت:

آپ علیہ رحمہ کی ولادت عراق کے مشہور شہر واسط میں 132ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم:

آپ علیہ رحمہ نے کوفہ میں علمی نشونما پائی جہاں پر آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ رحمہ سے شرف تلمذ حاصل کیا آپ نے امام مالک سے ۳ سال تک یوں علم حاصل کیا کہ آپ نے حدیث نبویہ کا ایک ذخیرہ یعنی 700 حدیثیں جمع کیں۔

اساتذہ کرام:

علم حدیث میں آپ نے امام اعظم علیہ رحمہ کے علاوہ امام مالک ،سفیان ثوری، عمرو بن دینار، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، امام اوزاعی، ربیع بن صالح سے استفادہ حاصل کیا۔

تلامذہ:

امام شافعی محمد بن ادریس، ابوسلیمان جوز جانی، ہشام بن عبید اللہ رازی، ابوعبید القاسم بن سلام، علی بن مسلم طوسی اوورابوحفص کبیر جیسے جلیل القدر آئمہ دین شامل ہیں۔

تصانیف:

امام محمد علیہ رحمہ نے تقریبا ایک ہزار کتب تسنیف فرمائیں۔ جن میں کچھ یہ ہیں؛

۱) الجامع الکبیر	۲) کتاب المبسوط
۳) الجامع الصغیر	۴) السیر الکبیر
۵) السیر الصغیر	۶) الزیادات
۷) کتاب الموطا	۸) کتاب الآثار

وفات:

جب خلیفہ ہارون رشید 'رے' کے مقام پر گیا تو آپ علیہ رحمہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ 'رے' کے مقام پر ہی امام محمد بن حسن علیہ رحمہ کا وصال 189ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ علیہ رحمہ کی عمر مبارک 57 سال تھی۔

اختلاف اوقات صلوٰۃ

فجر:

اول وقت:

اتفاقا طلوع فجر ہے۔

آخری وقت:

امام مالک علیہ رحمہ کے نزدیک اسفار تک یہ قاسم کی روایت ہے۔

امام مالک علیہ رحمہ سے ابن وہب نے روایت کیا کہ طلوع شمس ہے۔

ظہر:

اول وقت:

بالاتفاق زوال شمس ہے۔

آخری وقت:

امام مالک علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ سایہ ایک مثل ہو زوال شمس کے بعد اور یہ عصر کا اول وقت ہے بغیر فصل کے۔ امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ سایہ ایک مثل ہوا ور وقت عصر شروع ہوگا فاصلے کے ساتھ۔ فاصلہ یہ ہے کہ سایہ ایک مثل سے تھوڑا سا زیادہ ہو جائے۔

صاحبین اور امام احمد بن حنبل علیہ رحمہ فرماتے ہیں جب سایہ اصلی ایک مثل ہو پھر وقت عصر شروع ہوگا۔

یہ سب امامت جبرائیل کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ رحمہ کے نزدیک جب سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہو جائے۔

عصر:

اول وقت:

امام مالک اور امام شافعی علیہ رحمہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ سایہ ایک مثل ہونے کے بعد۔

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ رحمہ کے نزدیک جب سایہ دو مثل ہو جائے۔

آخری وقت:

امام مالک علیہ رحمہ کے نزدیک جب سایہ دو مثل ہو جائے جب تک سورج چمکتا رہے جب کہ یہ ہمارے نزدیک اختیاری وقت ہے۔ امام مالک علیہ رحمہ سے ایک اور قول ابن وہب نے روایت کیا کہ ظہر اور عصر کا آخری وقت غروب شمس ہے اہل ضرورت کے لئے۔

صاحبین کے نزدیک جب سایہ ایک مثل ہوا اور سورج متغیر ہو جائے۔

ابو ماثور اور امام احمد بن حنبل علیہ رحمہ کے نزدیک جب سورج پیلا ہو جائے۔

امام اسحاق علیہ رحمہ کے نزدیک غروب سے قبل ایک رکعت بھی پالی تو درست ہے سب کے لئے۔

مغرب:

اول وقت:

بالاتفاق غروب شمس ہے۔

آخری وقت:

امام مالک، امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہو جانے تک۔

دوسرا قول: اختیاری وقت بھی آخری ہی ہے۔

عشاء:

اول وقت:

بالاتفاق شفق کے غائب ہونے کے بعد۔

آخری وقت:

امام مالک علیہ رحمہ کے نزدیک اصحاب ضرورت کے علاوہ رات کا تیسرا حصہ ہے۔

امام اعظم علیہ رحمہ کے نزدیک طلوع فجر تک ہے۔

اوقات مستحبہ

فجر کا مستحب وقت:

فجر کے اندر اسفار کرنا افضل ہے سردی ہو، گرمی ہو، سفر ہو یا حضر۔ یہ تمام لوگوں کے حق میں ہے کہ جب آسمان کا مطلع صاف ہو۔

مگر جو حاجی مزدلفہ کے اندر پڑھے گا اس کے لئے اس کے حق میں غلس افضل ہے۔

امام طحاوی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی لمبی قراءت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے افضل ہے کہ غلس میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے۔ اگر لمبی قراءت کا ارادہ نہیں ہے تو اسفار میں ہی شروع کرے۔

امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ غلس تمام لوگوں کے حق میں افضل ہے کیونکہ انکے نزدیک قانون ہے کہ فرض کی ادائیگی اول وقت میں ہی افضل ہے۔ انکی دلیل یہ آیت بارکہ: 'وسارعوا الٰی مغفرۃ من ربکم'

دوسری دلیل: حدیث پاک (حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ عورتیں حضور کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں پھر وہ اس حال میں لوٹتیں تھیں کہ شدید اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں)۔

امام اعظم علیہ رحمہ کے نزدیک نماز فجر میں اسفار کرنا افضل ہے۔

دلائل:

حضورﷺ کا فرمان ہے کہ فجر کو روشنی میں پڑھو کہ یہ اجر میں زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعی علیہ رحمہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کسی بات پر اکٹھے نہیں ہوئے کہ جس طرح وہ اکٹھے ہوئے عصر کی تاخیر اور فجر کو خوب روشن کر کے پڑھنے میں۔

عقلی دلیل: 'اندھیرے میں نماز پڑھنا تقلیل جماعت کا باعث ہے اس لئے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ اور اسفار میں نماز پڑھنا یہ تکثیر کا باعث ہے۔

امام شافعی علیہ رحمہ کی دلیلوں میں دوسری کا جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث تو تب کی ہے جب عورتیں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتی تھیں۔اب عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا منسوخ ہو گیا تو اس کا بھی حکم منسوخ ہو گیا۔اس لئے اسفار کرنا افضل ہے۔

ظہر کا مستحب وقت:

گرمیوں میں آخری وقت کے اندر اور سردیوں میں شروع وقت کے اندر پڑھنا ہے۔امام شافعی علیہ رحمہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر نمازی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو ہر وقت میں جلدی کرے گا۔اور اگر نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا ہے تو جتنی آسانی ہو وہ مؤخر کرے جماعت کے حساب سے۔

ہمارا مؤقف یہی ہے کہ گرمیوں میں آخری وقت میں ہی پڑھے گا۔کیونکہ گرمی یہ جہنم کی شدت کی وجہ سے ہے تو اس لئے اس کو ٹھنڈا کر کے پڑھا جائے گا۔

عصر کا مستحب وقت:

عصر کا وقت تاخیر کر کے پڑھنا ہے کہ جب سورج خوب روشن ہو اور اسکی ٹکلی متغیر نہ ہو۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ اتنا متغیر نہ ہو کہ نظر جم سکے۔گرمیو اور سردیوں دونوں میں یہی حکم ہے۔

امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ جلدی کرنا افضل ہے۔دلیل: 'حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث مبارکہ کہ حضور ﷺ نماز پڑھاتے تھے تو سورج کی روشنی میرے کمرے میں ہوتی تھی۔

مغرب کا مستحب وقت:

سردیاں ہوں یا گرمیاں تعجیل کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔جبکہ اس کی تاخیر اشتباک نجوم تک کرنا مکروہ ہے۔

اشتباک نجوم (ستاروں کا جمگھٹا ہو جانا)۔

حضور ﷺ کا فرمان عالی نشان ہے کہ میری امت بھلائی پر رہے گی جب تک نماز مغرب کو جلدی اور عشاء کو مؤخر کر کے پڑھے گی۔

عشاء کا مستحب وقت:

عشاء میں ثلث لیل تک مؤخر کرنا سردیوں میں مستحب ہے نصف تک کرنا جائز اور گرمیوں میں تعجیل افضل ہے۔

امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ شفق کے غروب ہونے کے بعد تعجیل ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ جب آسمان کا مطلع صاف ہو اور اگر آسمان کا مطلع ابر آلود ہو تو مستحب یہ ہے کہ فجر،ظہر،مغرب میں تاخیر افضل ہے جبکہ عصر اور عشاء میں تعجیل افضل ہے۔

قاعدہ:

جب آسمان کا مطلع ابر آلود ہو تو ہو وہ نماز جس میں (ع) آئے جیسے عصر اور عشاء تو تعجیل اور اگر وہ نماز ہو جس میں (ع) نہ آئے تو اسے تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔جیسے فجر،ظہر اور مغرب۔

علت:

ابواحمد اسکی علت بیان کرتے ہیں کہ قاعدہ قانون یہ ہے کہ تاخیر جواز کی سووجھوں میں ہوتی ہے یا تو قضاء یا ادا۔ اور تعجیل جواز اور فساد کی دووجھوں میں ہوتی ہے اب تاخیر اولیٰ ہوئی اس لئے کہ اس میں فساد نہیں ہے۔

باب القراءۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام

اختلافات:

قول امام مالک:

امام کے ساتھ سری نمازوں میں قراءت کی جائے گی۔ اور جہری نمازوں میں قراءت نہیں کی جائے گی۔

قول امام احمد بن حنبل:

اگر جہری نمازوں میں امام کی قراءت سن لے تو قراءت نہ کرے اور اگر امام کی قراءت نہ سنے تو کرلے۔

عمرو بن مسعود:

ان سے مروی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سری ہو یا جہری قراءت نہیں کرے گا۔ اور ایک قول ان سے ہے کہ سری میں مقتدی قراءت کرے گا اور جہری میں نہیں کرے گا یہی قول امام شافعی کا ہے۔

قول امام شافعی:

اول:

مقتدی سری میں قراءت کرے گا اور جہری میں نہیں کرے گا۔

دوم:

سری اور جہری دونوں میں سورۃ فاتحہ کی قراءت کرے گا۔

دلیل:

(لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جس نے نماز ادا کی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ناقص ہے ناقص ہے کامل نہیں ہے۔

امام اعظم علیہ رحمہ کا قول:

سری اور جہری کسی نماز میں قراءت نہیں کرے گا امام کے پیچھے۔

دلیل:

واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتو اوقالوا۔۔۔۔۔

پس امام اعظم علیہ رحمہ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ یہ آیت مبارکہ قراءت خلف الامام کی شان میں نازل کی گئی ہے۔

محمد بن کعب قرضی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں قراءت فرمائی تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک صحابی نے اسکا جواب دیا اور جب آپ ﷺ نے بسمہ اللہ۔الخ پڑھی تو صحابی نے بھی پڑھی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ پوری ہوگئی تو تب یہ آیت نازل ہوئی۔

امام شافعی کی حدیث کا جواب:

ہم بھی یہی کہتے ہیں کی نماز ناقص ہوگی اس لئے کہ نقصان وصف میں ہے نہ کہ ذات میں اسکا مطلب یہ نہیں کہ نماز ہوگی ہی نہیں بلکہ اسکا وصف کمزور ہوجائے گا تو جس فعل کا وصف کمزور ہوتو گویا اسکا واجب ترک ہوا۔جبکہ احناف کے نزدیک فاتحہ کا نماز میں پڑھنا واجب ہے۔اب یہ حدیث اور ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے بھی مروی ہے لیکن ان میں امام کا تو ذکر نہیں ہے کہ امام کے پیچھے بھی پڑھنی ہے۔

پھر حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کہ ابوسائب نے کہا کہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے بھی تو ہوتا ہوں تو انہوں نے ابوسائب کی کلائی پکڑی اور متنبع کیا کہ اس کو اپنے دل میں پڑھ۔

علامہ نووی علیہ رحمہ:

یہ اوپر والی حدیث کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فاتحہ کی قراءت امام کے پیچھے کرنا واجب ہے۔کہ روایت میں ہے کہ (دل میں اسکو پڑھ) اسکا معنیٰ ہے کہ اسکو اونچی آواز میں نہیں بلکہ اتنی آواز سے پڑھ کہ تو خود کو سن سکے۔

علامہ عینی علیہ رحمہ:

(اقراء بھا نفسک) یہ اس بات کا پابند نہیں بناتی کہ وہ قراءت کرے ہی کرے کیونکہ اس کو پہلے ہی قرآن پاک نے (وانصتوا) سے انتہائی خاموشی کا حکم دے دیا۔

مطلقا قراءت پر امام محمد علیہ رحمہ اور اما اعظم علیہ رحمہ کا جواب:

امام محمد فرماتے ہیں کہ نماز سری ہو یا جہری مقتدی قراءت نہیں کرے گا۔اس پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۱)؛ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ من صلیٰ خلف الامام کفتہ قراءتہ۔

۲)؛حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا؛من صلیٰ خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔

۳)؛حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہمارے دادا جان نے فرمایا:من قراء خلف الامام فلاصلوٰۃ لہ۔

باب صلوٰۃ الخوف

حضورﷺ کے بعد اس کی مشروعیت:

حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ یہ نماز مشروع نہیں ہے۔ یہ ایک قول امام ابو یوسف کا بھی ہے۔

دلیل:

سورۃ النساء کی آیت نمبر 102؛ واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ۔ یہ اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز خوف کا جواز اس صورت میں ہے جب لوگوں میں ایک رسول موجود ہو تو جب حضورﷺ ظاہری پردہ فرما گئے ہیں تو حکم بھی مفقود ہو گیا۔

امام اعظم علیہ رحمہ اور امام محمد علیہ رحمہ:

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے اس بات پر کہ نماز خوف جائز ہے پڑھی جائیگی۔

دلائل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے صلاۃ الخوف پڑھی۔

ابو موسیٰ اشعری سے نماز خوف پڑھی اصبھان میں۔

سعید بن عاص نے مجوسیوں کے ساتھ طبرستان کے مقام پر جنگ لڑی انکے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ان میں حضرت حسن، حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ تم میں سے کون حضورﷺ کی نماز میں حاضر تھا تو حضرت حذیفہ نے کہا کہ میں تھا پھر وہ کھڑے ہوئے اور لوگوں صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔

رکعتوں کی تعداد:

اگر نماز دو رکعتوں والی جیسے مسافر کی نماز یا فجر ہو تو دو ورنہ جتنی رکعتوں والی نماز ہو اتنی ہی پڑھی جائیں گی۔احناف کے نزدیک خوف کی وجہ سے رکعتیں کم نہیں ہونگی۔

ابن عباس:

ان کا موقف ہے کہ مقیم کی چار، مسافر کی دو اور خوف کی ایک ہی رکعت ہوتی ہے۔معض علماء نے اس کو اختیار کیا اسکو دلیل بنایا ہے وہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے ذات الرقاء کے مقام پر ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائی تو حضورﷺ کی دو ہوئیں اور ہر گروہ کی ایک ایک۔

دلیل احناف:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ حضور ﷺ نے احناف کا جو طریقہ بیان ہوگا اس طرح ادا فرمائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کی تاویل تو وہ یہ ہے کہ ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائی تھی ایک ایک انہوں نے خود پڑھی یہ اس حالت میں تھا کہ وہ سب مسافر تھے۔

ادائیگی اور طریقہ:

احناف:

امام لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرے گا ایک کو دشمن کے سامنے کرے گا اور ایک گروہ کو نماز شروع کروائے گا اور ایک ہی رکعت پڑھائے گا اگر نماز فجر ہو یا مسافر ہوں تو۔ اگر نماز مقیم کی ہو اور چار رکعات والی ہو تو امام دو رکعتیں پڑھائے گا۔ اب یہ ایک رکعت (مسافر، فجر) یا دو رکعت (چار رکعتوں والی، مقیم) پڑھ کر بغیر سلام پھیرے اٹھ کر دشمن کے سامنے ہونگے اور دوسرا گروہ آئے گا وہ بھی اوپر والے طریقے پر ایک یا دو رکعت پڑھ کر بغیر سلام پھیرے واپس جائیں گے۔ اب امام اگر مقیم تھا تو چار اور اگر مسافر تھا تو دو اس طرح امام کی نماز پوری ہوگئی۔ اب پہلا گروہ آئے گا اور اپنی بقیہ نماز بغیر قراءت کے پوری کرے گا اور سلام پھیرے گا اسی طرح دوسرا گروہ بھی اپنی بقیہ بغیر قراءت کے پوری کریگا۔

امام مالک علیہ رحمہ:

امام دو گروہ بنائے گا ایک گروہ دشمن کے سامنے اور دوسرے کو نماز شروع کروائے گا۔ ایک رکعت پڑھائے گا اور قیام کی حالت میں کھڑا رہے گا۔ اور دوسرا گروہ آئے گا اسے ایک رکعت پڑھا کے سلام پھیر دے گا۔ اور وہ دونوں گروہ اپنی اپنی نماز پوری کر لیں گے۔

امام شافعی علیہ رحمہ:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام سلام نہیں پھیرے گا بلکہ دوسرے گروہ کو پوری رکعات پڑھائے گا پھر مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیرے گا۔

ہماری دلیل:

حضرت ان مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھم والی حدیث جس میں بلکل احناف والا طریقہ ہی بتایا گیا۔

امام شافعی علیہ رحمہ کی دلیل کا جواب:

کہ یہ روایت منسوخ ہے کیونکہ امام کے فارغ ہونے سے پہلے دوسرا گروہ آئے گا وہ اپنی نماز پڑھ کر امام کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ یہ طرہقہ ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ (وہ یہ تھا کہ مسبوق جس کی چند رکعات رہ گئیں ہوں وہ جب آئے تو اپنی پہلے والی رکعات ادا کر کے امام کے ساتھ مل جائے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے)۔ اور یہ جو طریقہ آپ بیان کر رہے ہیں یہ اس وقت ہے جب دشمن قبلے کے مقابل نہ ہو۔ ورنہ جب دشمن قبلے کے مقابل ہوگا سامنے ہوگا تو پھر وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔

صلاۃ الخوف کی شرائط:

دوران نماز قتال نہیں کیا جائے گا اگر قتال کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (احناف)

امام مالک علیہ رحمہ اورامام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ قتال کربھی لیاتو نماز فاسد نہیں ہوگی۔انکی دلیل:
قرآن پاک کی سورۃ النساء کی آیت نمبر۱۰۲(ولیاخذ واا سلحتھم)۔
ہماری دلیل:

کہ نبی پاک ﷺ کو چار نمازوں میں مشغول رکھا گیا۔

خندق کے موقع پرحضورﷺ نے انہیں بعد میں ادافرمایااورفرمایا کہ اللہ ان کے گھراوران کے پیٹ آگ سے بھر دے۔تواگرقتال میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو حضورﷺ اپنی نمازوں کو کبھی مؤخرنہ فرماتے۔
گروہ دشمن کے سامنے پیدل چل کر جائے اگرسوار ہوکر گیا تو ہمارے نزدیک اسکی نماز ٹوٹ جائے گی اگرچہ سواری کی حالت میں قبلے ہی کی طرف کیوں نہ ہو۔اس لئے کہ سواری کرنا یہ عمل کثیر ہواورعمل کثیر نماز کو فاسد کرتا ہے۔
نمازخوف کے لئے ضروری ہے کہ دشمن کے سامنے ہواگرایسی نماز پڑھی جس میں دشمن کے مدمقابل نہیں توامام کی نماز ہوگئی جبکہ مقتدیوں کی نماز جائز نہیں۔
امام شافعی فرماتے ہیں ہرطرح ہی نماز جائز ہے۔

باب المراۃ تغسل زوجھا

اختلافات:

شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ ایک جنس اپنی ہی جنس کو غسل دے سکتی ہے۔مثلاً مذکر مذکر کواور مؤنث مؤنث کو۔کیونکہ حالت حیات میں جنس کا بغیر شہوت کے ہم جنس کو چھونا جائز ہے ایسے ہی وفات کے بعد جنس کا ہم جنس کو بغیر شہوت کے چھونا جائز ہے۔اگرچہ غسل دینے والا یا والی جنبی یا حائضہ ہو۔اس لئے کیونکہ مقصد پاک کرنا ہے پاک ہونا نہیں۔
شریعت کا یہ بھی قانون ہے کہ جنس خلاف جنس کو غسل نہیں دے سکتی کیونکہ جنس میں اختلاف کے وقت چھونے کی حرمت حالت حیات میں ثابت ہے تو بعد وفات بھی یہی حکم ہے۔
ہاں بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان حالت حیات میں جدائی ثابت نہیں۔
دلیل:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنھا نے بعد وفات حضرت ابوبکر صدیق رجی اللہ عنہ کو غسل دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ اگر یہ معاملہ پہلے ہم تک پہنچا ہوتا تو حضورﷺ کو غسل ان کی ازواج ہی دیتیں۔
اب غسل کا مباح ہونا یہ چابت کرتا ہے کہ نکاح باقی ہے جو اسکے شوہر کی وفات کے بعد عدت مکمل کرنے کے بعد ختم ہوتا ہے۔

لیکن جب بیوی فوت ہو جائے تو شوہر غسل نہیں دے سکتا کیونکہ یہاں اسکی ملک نکاح ختم ہو چکی ہے۔مزید یہ کہ اگر کوئی عورت سفر میں فوت ہوئی تو وہاں اگر عورتیں موجود ہیں تو وہ عورتیں غسل دیں شوہر غسل نہ دے۔

امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ شوہر غسل دے سکتا ہے۔دلیل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ ہائے میرا سر ہائے میرا سر درد تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ تمہارا ہی نہیں میرا بھی سر درد کر رہا ہے اور فرمایا کہ ای عائشہ جب تم فوت ہوئی تو تمہیں میں غسل دوں گا میں کفن دوں گا اور میں تمہارا جنازہ پڑھوں گا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزاہرہ رضی اللہ عنھا کو ان کی وفات کے بعد غسل فرمایا۔

ہماری دلیل:

احناف کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو مردوں کے درمیان فوت ہوگئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پاک مٹی سے تیمّم کروایا جائے۔

شوافع کے دلائل کا جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا والی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد غسل کے اسباب مہیا کرنے پر محمول کیا گیا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث اس میں سب سے پہلی بات یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ عنھا نے دیا تھا اور دوسری بات اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت علی نے ہی انہیں غسل دیا تھا تو پھر روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعود نے اسکا انکار فرمایا یہاں تک کہ حضرت علی نے فرمایا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ نبپ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہیں۔یہاں حضرت مسعود کا منع کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔صحابہ میں بھی یہی رائج ہے اور حضرت علی کا یہ فرمانا یہ اس بات پر دلالت کرر ہا ہے کہ وہ بتا رہے ہیں کہ یہ میرا خاصہ ہے۔اگر میں نے غسل دیا ہے تو کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں میری بیوی ہیں ان کے ساتھ میرا نکاح نہیں ٹوٹتا بخلاف عام لوگوں کے۔

باب ما یکفن بہ المیت

اختلافات:

احناف کے نزدیک مرد کے لئے کفن سنت تین کپڑے ہیں۔قمیص،ازار اور لفافہ۔

جبکہ عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔قمیص،ازار،لفافہ،اوڑھنی اور سینہ بند۔

دلیل:

حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ میری اس قمیص میں مجھے کفن دینا۔فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اس قمیص میں کفن دیا گیا جو

آپ نے زیب تن کیا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس والی روایت کہ نبی پاک ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں سے ایک وہ قمیص تھی کہ جس میں آپ نے انتقال فرمایا۔

شوافع اور حنابلہ:

میت کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا اور تینوں کے تینوں لفافے ہوں۔ نا قمیص ہو اور نا ہی ازار۔

دلیل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ نبی پاک ﷺ کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا نا ان میں قمیص تھی نا ہی عمامہ۔

احناف شوافع اور حنابلہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ والی حدیث کی بنسبت حضرت ابن عباس والی روایت کو لینا اولیٰ ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کی تجہیز و تکفین میں شامل نہیں تھی۔ اور ا ہی بات کہ حضرت عائشہ نے قمیص کا ذکر نہیں کیا تو اسکا مطلب یہی ہے کہ ان کے کفن میں کوئی جدید قمیص نہیں ہے بلکہ اسی قمیص میں آپ ﷺ کو کفن دیا گیا جو بوقت وصال آپ نے زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔

عقلی دلیل:

کہ علماء فرماتے ہیں کہ میت کے موت کے بعد کے بھی وہی احوال رکھے جائیں گے جو موت سے پہلے تھے۔ کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اعلیٰ معیار کے کپڑے پہنتا تھا تو بعد میں اسے اسی طرح کے کپڑے میں کفن دیا جائے گا۔

اب رہی بات عمامہ کی کہ حضور ﷺ کے کفن میں عمامہ ذکر نہیں کیا گیا اس لئے اکثر علماء اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ کہ اگر عمامے کا اضافہ کیا گیا تو کفن جفت ہو جائے گا جبکہ کفن میں وتر افضل ہے اور سنت بھی ہے۔ لیکن بعض علماء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں کہ کفن میں عمامہ ہے۔ اگر عمامہ شامل کیا جائے تو شملہ آگے رکھا جائے گا۔

عمامہ پہنانے میں دلیل:

حدیث ابن عمر ہے کہ ابن عمر میت کو عمامہ پہناتے تھے اور شملہ آگے کی جانب رکھتے تھے۔ برخلاف حالت حیات کے کہ اس میں عمامہ زینت کے لئے ہوتا ہے تو جب زندگی ختم تو زینت بھی ختم۔

کفن ضرورت:

کفن ضرورت میں کم سے کم دو کپڑے ہیں۔ ایک کپڑے سے کفن دینا مکروہ ہے کیونکہ حالت حیات میں ایک کپڑے میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت کے پیش نظر ایک کپڑے میں کفن دینا بھی جائز ہے۔ جیسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو غزوہ احد کے موقع پر شہید ہوئے۔ کہ ان کو کفن دینے کے لئے بھی کفن ضرورت یعنی ایک ہی چادر تھی کہ اگر ان کے سر کو ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے

اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ پھر چادر کو آپکے سر پر کیا گیا اور آپ کے پاؤں کو 'ازخر' نامی بوٹی کے ساتھ ڈھانپا گیا۔ ایسے ہی جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کو بھی ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا۔

باب المشی بالجنائز والمشی معھا

مناسب یہ ہے کہ میت کو سرعت کے ساتھ لے جایا جائے جس میں خبب (ہچکولے) نہ ہو۔ خبب میں ضرر ہے اس لئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے نبی پاک ﷺ سے جنازہ لے جانے کے بارے میں سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے لے جاؤ جس میں خبب نہ ہو۔

بہتر طریقہ ہے کہ میت کا سر آگے کی جانب رکھا جائے کیوں کہ یہ اعضاء میں سب سے افضل ہے تو افضل چیز کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔

اختلافات:

احناف کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے آگے چلنا بھی جائز ہے۔ جبکہ شوافع یہ کہتے ہیں آگے چلنا افضل ہے۔

دلیل شوافع:

امام زھری کی روایت کو بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جنازے کے آگے آگے چلتے تھے اور خلفاء راشدین بھی آپکی اسی طرح اطاعت کرتے تھے۔

عقلی دلیل شوافع:

جنازے کے شرکاء میت کے شفیع ہوتے ہیں اور شفیع مقدم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں جیسے ہم امام کو اپنی نماز میں اپنا شفیع بناتے ہیں تو وہ ہمارے آگے ہوتا ہے بلکل اسی طرح جنازے میں شریک لوگ بھی میت کے شفیع ہوتے ہیں لہذا آگے چلیں گے۔

دلیل احناف:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفا روایت بھی ہے اور مرفوعا بھی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنازہ متبوع ہوتا ہے اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ وہ تابع نہیں ہوتا جو جنازے کے آگے ہو۔ وہ ایسے ہے جیسے جنازے کے ساتھ نہیں۔

ایک اور روایت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنازے کے پیچھے چلنے کی آگے چلنے پر ایسی ہی افضلیت ہے جیسے فرض نماز کی نفل نماز پر۔

شوافع کی دلیل کا جواب:

اگر ایسی بات ہے کہ شرکاء کو شفیع بنا کر آگے چلانا ہے تو پھر اس کو نماز پر قیاس نہ کریں۔ اس لئے کہ نماز میں امام کو شفیع بنا

کر آگے کیا جاتا ہے جبکہ جنازے میں تو شرکاء شفیع ہونگے اور جنازے کو پیچھے رکھنا ہوگا تو اس کو نماز پر قیاس مت کرو۔لہذا جنازے کے پیچھے چلنا ہی آگے چلنے سے افضل ہے۔

دلیل:

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے جنازے میں لوگوں کو حضرت عمر بن خطاب نے کہا کے جنازے کے آگے آگے چلو۔اور بھی روایات ہیں جس میں لوگ جنازے کے آگے چلے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی آگے آگے چلے۔

اس کی علماء یہ تاویل بیان فرماتے ہیں کہ حضورﷺ جب جنازوں کے آگے چلے وہ بیان جواز کے لئے تھا کہ آگے بھی چلنا جائز ہے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگوں از دھام (ہجوم) کے وقت آسانی ہو سکے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی اندیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جنازے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ شیخین جنازے کے آگے کیوں چل رہے ہیں۔تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کی آسانی کے لئے۔

باب المیت لا یتبع بناء بعد موتہ او مجمدۃ فی الجنازۃ

اس سے منع کیا گیا۔

۱)یہ بدفعالی ہے۔ ۲)یہ آلہ عذاب ہے۔

۳)اہل کتاب اپنے جنازوں میں ایسا کرتے ہیں ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے منع کیا۔

باب القیام للجنازۃ

اختلافات:

امام اعظم،سعید بن مسیّب،عروہ،مالک،اہل حجاز،شافعی اور انکے اصحاب رحمھم اللہ سب کا یہی قول ہے کہ پہلے حضورﷺ کھڑے ہوتے تھے جنازے دیکھ کر پھر ترک کر دیا۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھڑا ہوا تو میں اس کو عیب نہیں لگاتا اور اگر نہیں کھڑا ہوتا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ایک جماعت جن میں ابومسعود،ابوسعید،سہل بن حنیف اور سالم بن عبداللہ ان کے نزدیک مشروع ہے منسوخ نہیں ہوا۔

ہماری دلیل:

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جنازے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو یہودیوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم بیٹھو اور ان کی مخالفت کرو۔

باب الصلوٰۃ علی المیت والدعاء

اختلافات:

امام محمد اور امام اعظم فرماتے ہیں کہ جنازے کے اندر قراءت نہیں ہے۔ امام شافعی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ جنازے کے اندر سورۃ فاتحہ قراءت کے طور پر پڑھی جائے گی۔

دلیل:

(لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب)

اس لئے کہ نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے لہذا اس میں فاتحہ پڑھنی ہے۔ اور نماز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں طہارت اور استقبال قبلہ شرط ہے۔

ہماری دلیل:

ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں فاتحہ بطور ثناء اور دعا کے پڑھنی بلکل جائز ہے۔

۱) حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس میں قراءت کی جائے گی یا نہیں تو اس پر آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ہمیں اس بات کا پابند نہیں کیا کہ اس میں کوئی دعا یا قول یا کوئی قراءت کی جائے۔

۲) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھم فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی قراءت نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب:

نماز جنازہ نماز کی طرح بلکل نہیں ہے یہ حقیقتا نماز نہیں ہے بلکہ یہ تو میت کہ لئے دعا و استغفار ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں نماز کے ارکان کی طرح کوئی رکن نہیں ہے۔

سوال: جب یہ نماز نہیں تو اس کو صلوۃ کیوں کہتے ہو؟

جواب: فقہا فرماتے ہیں کہ اس میں بعض نماز والی شرطیں پائی جاتی ہیں جیسے کہ طہارت اور استقبال قبلہ۔

سلام پھیرنا:

فقہاء فرماتے ہیں سلام پھیرنے کی حاجت نہیں ہے بلکہ چوتھی تکبیر ہی کافی ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک طرف پھیرا جائے۔ جبکہ احناف کے نزدیک دونوں طرف سلام پھیرا جائے گا۔

وقت:

نماز جنازہ تین مکروہ اوقات کے علاوہ پڑھ سکتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کے معاملات کرنے سے منع فرمایا گیا۔

نماز جنازہ فجر اور عصر کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہے مکروہ اوقات کے علاوہ۔ لیکن اگر اس وقت میں کوئی جنازہ آجائے تو اسے فوراً ادا کر دیا جائے مکروہ وقت کی وجہ سے اسے لے کر نا بیٹھا جائے۔

باب الصلوٰۃ علیٰ الجنازۃ فی المسجد

اختلافات:

امام شافعی اور دیگر محدثین کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے۔

دلیل:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مسجد ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنھا نے حکم دیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مسجد میں لاؤ تا کہ ان پر نماز پڑھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے انکار فرمایا تو آپ رضی اللہ عنھا نے فرمایا کیا تم لوگ اتنی جلدی اس بات کو چھوڑ گئے کہ نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی۔

احناف:

نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی جائے گی۔ اس میں صورتیں بنتی ہیں اگر چہ میت اندر ہو نمازی باہر ہوں یا نمازی اندر ہوں میت باہر ہو یا دونوں مسجد میں ہوں ہر صورت میں نا جائز ہے۔ ہاں اگر دونوں فنائے مسجد میں ہوں تو جائز ہے۔

جن صحابہ نے پڑھی انکے پڑھنے کی وجہ:

فتنہ سے بچنے کے لیے یا پھر شدید بارش کی وجہ سے پڑھی۔

شدید بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ شدید دھوپ کی وجہ سے مسجد میں پڑھنا نا جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے لیکن شدید دھوپ کی وجہ سے نہیں پڑھی جا سکتی دھوپ میں ہی پڑھنی ہوگی۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر اس کی انتڑیوں سے فضلات نکلنے کا خدشہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اس کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ اس بات کے خدشے کا نہ ہونا بہت مشکل بات ہے جو بھی ہو اندیشہ رہتا ہی ہے۔ جیسے نابالغ بچے کو مسجد میں نہیں لا سکتے اس وجہ سے کہ اس کی وجہ سے گندگی خارج ہونے کا خدشہ ہے۔ اور کیونکہ مرنے کے بعد اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہچکولے لگنے کی

وجہ سے فضلہ اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو مسجد میں گندگی پھیلنے کا خدشہ ہوگا اس لئے مسجد میں نہیں پڑھا جا سکتا۔

باب تحمل الرجل المیت او یحنطہ او یغسلہ ھل ینقض ذالک وضوءہ

ابن عمر نے سعید بن زید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو خوشبو لگائی اور اس کے جنازے کو اٹھایا اور پھر مسجد میں داخل ہوئے تو وضو نہ فرمایا۔
امام محمد فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ اٹھانے سے، اس کو خوشبو لگانے سے، اس کو کفن دینے سے یہاں تک کہ اس کو غسل دینے سے بھی وضو فرض نہیں ہوتا نہ ہی ٹوٹتا ہے۔امام اعظم کا بھی یہی قول ہے۔

باب الرجل تدرکہ الصلوۃ علی الجنازۃ وھو علیٰ غیر وضو

اختلافات:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندہ نماز جنازہ پاکی ہی کی حالت میں ادا کرے گا بغیر پاکی کے نہ پڑھے۔
کیونکہ اس بات پر فقہاء متفق ہیں کہ نماز جنازہ کی صحت کے لئے طہارت شرط ہے۔
امام شعبی اور محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں کہ پاکی کے بغیر بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔
نماز جنازہ پاکی کی حالت میں ہی پڑھی جائے گی اس حدیث پاک کی وجہ سے کہ اللہ پاک بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں فرماتا۔اور حضور ﷺ نے جنازے پر صلاۃ کا اطلاق کیا ہے۔فرمایا؛صلوعلی صاحبک اور فرمایا؛فصلوعلیہ۔
امام اعظم اور امام محمد علیہ رحمہ:

مناسب نہیں کہ بغیر طہارت نماز جنازہ پڑھی جائے پس اگر اچانک جنازہ آ گیا تو وہی پر تیمّم کرے اور ادا کر لے کہ اگر وہ وضو کے لئے بیٹھا تو جنازہ نکل جائے گا اور کیونکہ جنازے پر تکرار بھی نہیں ہے۔

باب الصلوۃ علی المیت بعد ما یدفن

اختلافات:

سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ جس دن نجاشی بادشاہ کا انتقال ہوا رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر پائی تو آقا ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ جنازہ گاہ کی طرف چلے پس صحابہ کرام علیھم الرضوان کی صفیں بنوائیں اور اس پر چار تکبیریں پڑھیں۔
امام شافعی:

غائبانہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔اور دلیل میں نجاشی والی حدیث پیش کرتے ہیں۔

احناف:

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

علماءفرماتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ کہ نجاشی پر جنازہ پڑھنا حضوت ﷺ کا خاصہ ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ زمین لپیٹ دی گئی بعض صحابہ نے میت کو حضوﷺ کے سامنے موجود پایا۔اس سلسلے میں ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے معاویہ وہبی یا وحشی کے نام سے تو اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نام سے کوئی صحابی تھا ہی نہیں۔مزید اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے راستوں پر پر بچھائے اور جناشی کی میت کو سامنے پیش کر دیا جس پر آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔

علماء فرماتے ہی کہ اگر میت کو غسل کفن دے کر دفنایا تو اس پر تین دن تک نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔تین دن بھی اس لئے کہ جمع کی کم سے کم حد تین ہے۔اور جسم سلامت ہوگا لیکن جب اعضاء ہی بکھر گئے تو نہیں۔

بڑھیا والی روایت میں کہ صحابہ نے نماز جنازہ ادا فرمالی تھی حضوﷺ نے دوبارہ نماز جنازہ ادا فرمائی ۔وہ اس لئے کہ آپ ﷺ ولی ہیں کل جہانوں کے اور اولیٰ ہیں اور نماز جنازہ ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ادا کی جاتی۔

تکرار نماز جنازہ کے جائز نا ہونے کی سب سے بڑی دلیل کہ حضوﷺ کے روضہ مبارک پر نہیں پڑھی جاتی۔اگر جائز ہوتی تو آج تک پڑھی جانی تھی۔

باب الکنز

زمین سے نکالی جانے والی اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔

۱) کنز　　　　۲) معدن

کنز:

وہ مال ہے جس کو بنی آدم نے زمین میں دفن کیا ہو۔

معدن:

وہ مال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیدائش کے دن زمین میں پیدا فرمایا۔

فائدہ:

رکاز کو کنز بھی کہا جاتا ہے اور معدن بھی۔حقیقی معنیٰ معدن ہی ہے لیکن مجازا اس کو کنز بھی کہا جاتا ہے۔

کنز کی تفصیل:

جو مال کنز ہے وہ یا تو دارالاسلام میں ہوگا یا دارالحرب میں۔اب یہ دونوں جگہ مملوکہ ہونگی یا غیر مملوکہ۔ایسے ہی اس پر یا تو اسلام کی علامت بنی ہوگی جیسے لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہونا۔یا پھر اسلام کے علاوہ علامتیں ہونگی جیسے بت کا بنا ہوا نا یا صلیب کا بنا ہونا۔یا اس پر

کوئی علامت نہیں ہوگی۔ یہ تمام کی تمام صورتیں کنز کی ہیں۔

اگر یہ غیر مملوکہ زمین میں دار لاسلام ہیں ہے جیسے میدان میں، پہاڑ پر یا بنجر زمین میں تو پھر اسکا حکم لقطہ والا ہوگا کہ احکام شریعہ کے مطابق اس کے مالک کو تلاش کیا جائے گا۔ اور اگر اس پر کوئی جاہلیت کی علامت پائی گئی تو پھر خمس ہوگا یعنی کہ چار حصے تلاش کرنے والے کے اور ایک بیت المال میں۔ اور ایسا ہی معدن میں ہوتا ہے۔

اگر ایسا مال ملا جس پر کوئی کی قسم کی علامت نہیں تو پھر وہ بھی لقطے کی طرح ہے کیونکہ عہد اسلام زیادہ ہے عہد کفر سے تو اس پر لقطے کے احکام جاری ہونگے۔ اور ایک قول ہے کہ سا کا حکم مال غنیمت کی طرح ہوگا کیونکہ اکثر کنز کا فر لوگ ہی چھپاتے ہیں۔

اور اگر مملوکہ زمین میں کنز پایا گیا تو اس میں بغیر کسی اختلاف کے خمس واجب ہے اس لئے کہ یہ مال کفر ہوگا۔

خمس میں اختلاف:

اخماس کے بارے میں اختلاف ہے کہ ایک تو بیت المال میں جائے گا بقیہ چار کدھر جائیں گے۔

امام اعظم اور امام محمد علیہ رحمہ:

فرماتے ہیں کہ مملوکہ زمین میں ہے اور مالک زندہ ہے تو چار اسی کے ہونگے۔ اگر فوت ہوگیا تو اس کے وارثوں کو ملیں گے اگر وہ جانتے ہیں تو۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ چار حصے جس کو ملے اسی کے ہونگے۔

کتاب الحج

حج کی تین قسمیں ہیں۔

۱) حج افراد ۲) حج قران ۳) حج تمتع

حج افراد:

حاجی صرف احرام باندھتے وقت حج کی نیت کرے اور صرف حج ہی کے مناسک ادا کرے۔

حج قران:

حاجی احرام باندھتے وقت حج وعمرہ دونوں کی نیت کرے اور ایک ہی احرام میں دونوں کے مناسک ادا کرے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ حاجی ایک ہی طواف اور ایک سعی کرے گا جو حج وعمرہ دونوں کو کفایت کرے گی۔ احناف فرماتے ہیں دو طواف ہیں ودو سعی کرے گا۔ ایک طواف اور سعی عمرہ کے لئے اور دوسرا طواف اور سعی حج کے لئے۔ طواف زیارت اور طواف سعی دوسرے وقت میں کرے گا۔

بالاجماع قارن ایک ہی قربانی کرے گا۔

حج تمتع:

حاجی صرف عمرہ کے احرام باندھنے کی نیت کرے گا حج کے مہینے میں پھر مکہ آئے گا اور عمرہ ادا کرے گا اور احرام سے باہر آئے پھر مخصوص وقت میں احرام حج باندھیگا اور منسک حج بجالائے گا۔

حج میں بلا جماع قربانی واجب ہے۔دلیل: فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی۔

اختلاف افضلیت:

مالکیہ:

ان کے نزدیک پہلے حج افراد اور پھر قران اور پھر تمتع افضل ہے۔

شوافع:

ان کے نزدیک پہلے حج افراد اور پھر تمتع اور پھر قران افضل ہے۔اور یہ کہتے ہیں کہ حج افراد کا باقیوں سے افضل ہونا اس شرط پر ہے کہ جس سال حج کیا اسی سال عمرہ بھی کرے۔اگر حج کے سال سے عمرہ موخر کردیا تو پھر تمتع اور قران حج افراد سے افضل ہونگے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کیونکہ حج کے سال میں عمرہ موخر کرنا مکروہ ہے۔

نقلی دلیل:

عقلی دلیل:

حج افراد میں حج تمتع اور حج قران سے زیادہ مشقت ہے۔

احناف:

ہمارے نزدیک سب سے پہلے حج قران افضل ہے پھر تمتع اور پھر افراد۔

دلیل:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سمعت رسول اللہ فی وادی العتیق کہ اللہ پاک نے اپنے نبی کو افضل کام کا حکم دیا کہ حج کے ساتھ عمرہ بھی کرے۔لہذا حج قران افضل ہے۔

عقلی دلیل:

حج قران میں ناقی دو کی نسبت زیادہ مشقت ہے کیونکہ اس میں احرام بہت دیر کے لئے باندھنا پڑے گا۔جبکہ افراد میں آٹھ کو احرام باندھ کر گیارہ کو کھولے گا۔اور تمتع میں جب چاہے احرام باندھے اور عمرہ کرے احرام کھول دے پھر حج کے دنوں میں دوبارہ احرام باندھ لے۔جبکہ حج قران میں دو عبادتیں جمع کی گئیں اس لئے یہ احناف کے نزدیک زیادہ افضل پایا۔

حنابلہ:

ان کے نزدیک تمتع افضل ہے پھر افراد پھر قران۔ حج تمتع اور قران میں قربانی ہے جبکہ حج افراد میں قربانی نہیں ہے۔

باب المحرم یتزوج

امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک:

ان سب کے نزدیک محرم کے لئے نکاح جائز نہیں۔

دلیل:

حضرت عثمان بن عفان کا فرمان ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ محرم نہ نکاح کرے نہ پیغام بھیجے اور نہ ہی کروائے۔ اگر اس نے نکاح کیا تو نکاح باطل ہے۔

امام اعظم اور اصحاب، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری:

ان سب کے نزدیک نکاح جائز ہے۔

دلیل:

حضورﷺ نے نکاح فرمایا اس حال میں کہ آپ محرم تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ور دیگر آئمہ ستہ نے اسے روایت فرمایا۔

دوسری جماعت کی دلیل کا جواب:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث کو وطی پر محمول کیا جائے گا۔